Dareecha-e-Tahqeeq
دریچۂ تحقیق
ISSN PRINT 2958-0005 ISSN Online 2790-9972
VOL 7, Issue 2
www.dareechaetahqeeq.com dareecha.tahqeeq@gmail.com
Research Artical

سدرہ محمود
پی ایچ۔ڈی اسکالر اُردو لاہور کالج برائے خواتین یونیورسٹی، لاہور۔
ڈاکٹر صائمہ شمس
ایسوسی ایٹ پروفیسر اُردو گورنمنٹ گریجوایٹ کالج برائے خواتین، گل برگ، لاہور

ڈاکٹر علی محمد خاں کی مرتبہ ''کلیاتِ جوہر'' کا ایک محققانہ جائزہ

Sidra Mahmood
Ph.D Scholar Urdu Lahore College for Women University, Lahore.
Dr. Saima Shams
Associate Professor Urdu Govt Graduate College For Women, Gulberg, Lahore.

A Scholarly Review Of Dr. Ali Muhammad Khan'S Kulliyat-E-Jauhar

This article examines three editions of the collected poetry of Maulana Muhammad Ali jauhar; Abdul Majid Daryabadi (1936), Noor-ur-Rehman's (1962) and Dr. Ali Muhammad Khan's (2012). Since Jauhar never published a definitive collection in his lifetime, each editor faced the task of gathering, arranging, and authenticating his scattered verse. Drawing on the principles of textual editing outlined by scholars such as Gian Chand Jain, Khaliq Anjum and Insar Ullah Nazar. The study evaluates each edition against the stages of the editor's work; collection and verification, textual criticism, annotation and the preface.The comparison shows that Daryabadi gathered the poetry from periodicals and arranged it by radeef, but did not explain this mehtod or document his sources, and poem "Ali Garh College se Rukhsat" is missing from his edition. Noor-ur-Rehman based his text on facsimiles of manuscripts and included what poem with a citation to Makhzn (June 1907), but his arrangement is inconsistent and does not acknowledge his debt to Daryabadi. Dr. Ali Muhammad Khan consolidated both earlier editions, provided a unified arrangement and annotation, and acknowledged his sources, yet he too does not state the criteria used to resolve textual variants.The study concludes that none of the three editions fully meets the editor's responsibilities, and it argues for a new critical edition with a documented mehtod, complete variant readings and full annotation.

Key words: Khulliyat-E-Jauhar, Textual Criticism, Urdu Editing, Editor's Duties, Daryabadi, Noor-Ur-Rehman, Dr. Ali Muhammad Khan.

رئیس الاحرار کے لقب سے مشہور مولانا محمد علی جوہر کا نام ایک انقلابی اور سیاسی راہ نما کے طور پر نمایاں نظر آتا ہے۔وہ ایک شعلہ مقرر، ممتاز صحافی اور اُردو انگریزی زبان کے ماہر انشا پرداز تھے۔ان تمام اوصاف کے علاوہ وہ اُردو کے ایک نادر، ممتاز اور صاحبِ اسلوب شاعر تھے۔

زیر مطالعہ ''کلیاتِ جوہر'' کے مرتب ڈاکٹر علی محمد خاں ہیں۔ کلیات کو مرتب کرتے ہوئے مرتب نے کلیاتِ جوہر کے دو نسخوں کو مدّ نظر رکھا ہے جن میں ایک ''کلام جوہر'' کے عنوان سے عبدالماجد دریا بادی نے اور دوسرا بعنون ''دیوانِ جوہر'' جسے پروفیسر نور الرّحمن نے ترتیب دیا ہے۔اس کے علاوہ ایک تنقیدی کتاب ''محمد علی جوہر--- شخص اور شاعر'' جس کے مصنف ڈاکٹر آفتاب احمد آفاقی ہیں، سے بھی استفادہ کیا ہے۔ڈاکٹر علی محمد خاں کے مطابق اس وقت یہ دونوں متذکرہ بالا دواوین نایاب نہیں تو کم یاب ضرور ہیں۔اسی لیے انھیں ''کلیاتِ جوہر'' کی

ترتیب کی ضرورت محسوس ہوئی۔

مولانا کی وفات کے بعد ان کے کلام کو محفوظ کرنے کی کوشش میں دو نمایاں مرتبین کے نام سامنے آتے ہیں۔عبدالماجد دریا بادی جنھوں نے ۱۹۳۶ء"کلام جوہر" اور نور الرحمن نے ۱۹۶۲ءمیں "دیوانِ جوہر" مرتب کیا۔یہ دونوں نسخے آج بھی مولانا کے کلام تک رسائی کے بنیادی ذرائع ہیں۔تاہم دونوں نسخوں کا تقابلی مطالعہ کیا جائے تو یہ بات واضح ہوتی ہے کہ یہ دونوں محض ایک ہی متن کی نہیں بل کہ دو الگ الگ تدوینی کاوشیں ہیں۔جن میں متن کے انتخاب، ترتیب کا طریقہ کار اور دستاویزی توثیق کے معیار میں بھی فرق پایا جاتا ہے۔

کلامِ جوہر کی تدوینِ نو کی ضرورت واہمیت اس نکتے سے واضح ہوتی ہے۔چوں کہ مولانا کی زندگی میں ان کے کلام کا کوئی مستند و مکمل مجموعہ شائع نہ ہوسکا اور بعد کے مرتبین نے بھی دیباچہ میں سوانح اور کلام پر مکمل بحث کی ہے مگر کوئی تدوینی وضاحت شامل نہیں کی۔اس لیے یہ سوال حل طلب ہے کہ ان دونوں نسخوں میں سے کون ساز یا دہ مستند اور قابلِ اعتماد حد تک پورا اترتا ہے۔یہی اس مضمون کا محرک ہے۔

عبدالماجد دریا بادی کا نسخہ ۱۹۳۶ءمیں پہلی مرتبہ منظرِعام پر آیا۔جو انھوں نے مولانا کی وفات کے پانچ سال بعد ان کے کلام کو یک جا کیا۔مرتب خود ایک نقاد اور صاحبِ طرز نثر نگار تھے اور مولانا کے قریبی دوست اور معاصر بھی تھے۔اس نسخے کی ایک نمایاں خوبی یہ ہے کہ اس میں روایتی دیوان نویسی کے اصول یعنی ردیف کی بندش کا خاص خیال رکھا گیا ہے۔تاہم ہر ردیف کی الگ الگ گنتی رکھی گئی ہے۔نسخے کا آغازمولانا کے سوانحی حالات ان ہی کے بیانات کی روشنی میں درج کیے گئے ہیں کوئی خاص دیباچہ یا تدوینی تمہید شامل نہیں ہے جس کی وجہ سے مرتب کے مآخذات اور طریقہ کار کے متعلق کوئی داخلی شہادت موجود نہیں اور نہ ہی اس میں مآخذات و مصادر کی فہرست میسر ہے۔اس کے صفحات کی تعداد ۱۴۱ ہے جس میں موجود غزلوں کی کل تعداد ۶۷ اور ۹ نظمیں ہیں۔یہ مکتبہ جامع دہلی سے شائع ہوا۔اس مجموعے میں مولانا کی کچھ غزلیں اور ایک نظم بعنوان "علی گڑھ کالج سے رخصت" موجود نہیں ہے۔

پہلے نسخے کی طباعت کے ربع صدی بعد نور الرحمن نے لاہور سے یہ نسخہ شایع کروایا۔اس نسخے کی امتیازی اہمیت اس میں موجود زیادہ تر غزلوں کے ساتھ مولانا کی تحاریر کا عکس بھی شامل کیا گیا ہے۔یہ عکس پاکستانی قومی میوزیم میں محفوظ ہیں۔ان اوراق پر مولانا کے دورانِ اسیری کے جیلر کے دستخط اور مہر ثبت ہیں۔جن سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ یہ کلام جیل ہی سے باہر بھجوایا جاتا تھا۔یہ دستاویزی حوالہ نور الرحمن کے نسخے کو ایک منفرد تاریخی و توثیقی حیثیت عطا کرتا ہے لیکن اس کے باوجود نسخے میں باقاعدہ دیباچہ شامل نہیں اور اس کے پہلے حصے میں جو عکسی تصاویر شامل ہیں ان کا متن شامل کیا گیا ہے۔

دوسرے حصے میں ردیف وار غزلیں شامل ہیں جن کی تعداد ۱۷۰ اور ۸ نظمیں شامل ہیں۔ان میں ۳۱ غزلوں اورنظم و قطعات کی تصاویر شامل نہیں۔صفحات کی تعداد ۱۶۸ ہے۔

کلامِ جوہر کا تیسرا نسخہ جو ۲۰۱۲ءمیں سامنے آیا وہ ڈاکٹر علی محمد خاں کا ترتیب کردہ ہے۔یہ نسخہ متذکرہ بالا دونوں نسخوں کو مدِ نظر رکھ کر مرتب کیا گیا ہے۔یہ الفیصل ناشران و تاجران کتب سے شائع ہوا ہے جس کے صفحات کی تعداد ۱۳۰ ہے۔اس نسخے میں ردیف وار غزلیں شامل کی گئی ہیں جن کی تعداد ۶۵ ہے اور آخر میں نظمیاتِ جوہر کے عنوان سے ۱۰ نظمیں شامل ہیں۔انڈیا سے بھی یہ نسخہ ۲۰۱۴ء میں چھپا۔

یہ تینوں نسخے اپنے اپنے دور کی علمی روایت، دست یاب مآخذ اور مرتبین کے طریقہ کار کے مطابق وجود میں آئے۔زیر نظر مضمون میں ان ہی تینوں نسخوں کو بیک وقت مد نظر رکھتے ہوئے ایک تقابلی تنقیدِ متن پیش کی جائے گی جس کا مقصد یہ ہے کہ دیکھا جائے کہ کس مرتب نے کن فرائض کو نبھایا ہے اور کہاں کوتاہی ہوئی ہے۔

کلیات کی ترتیب و تدوین کے لیے یہ ضروری ہے کہ مرتب کے فرائض کا تعین کیا جائے تاکہ ان ہی کی روشنی میں اس کی تحقیق کو پرکھا جاسکے۔

ڈاکٹر گیان چند جین "تحقیق کا فن" میں لکھتے ہیں:

''اردو میں تدوینِ متن کی حد تک ہم ''متن'' اس تحریر کو کہہ سکتے ہیں جسے کوئی محقق ترتیب دینا چاہتا ہے، وہ تخلیق نظم و نثر ہو یا غیر تخلیقی مثلاً کوئی تذکرہ یا انشا کی دریائے لطافت یا گل کرسٹ کا رسالہ یٔ قواعد وغیرہ۔تدوین متن مختلف نسخوں، شاذ وحید نسخے کا مطالعہ کرکے مصنف کے اصل متن کی باز تشکیل کرنے کو کہتے ہیں''۔ (۱)

ترتیبِ متن سے کسی متن کی بازیافت کی جاتی ہے اور ایک قیمتی ادبی سرمایے کو محفوظ کرنے کی سعی کی جاتی ہے۔ڈاکٹر خلیق انجم نے اس کے لیے ''متنی تنقید '' کا لفظ استعمال کیا وہ لکھتے ہیں کہمتنی تنقید کا اصل مقصد حتی الامکان متن کو اصل روپ میں دوبارہ حاصل کرنا ہوتا ہے۔اس روپ سے مراد وہ روپ ہے جو متن کا مصنف اپنی تحریروں کو دینا چاہتا تھا۔اس لیے ترتیبِ متن کے عمل کی انجام دہی کے لیے کچھ امور کا خاص خیال رکھا جاتا ہے۔جن کی روشنی میں مرتب اس اہم فریضے کو سر انجام دیتا ہے۔اس ضمن میں ڈاکٹر انصار اللہ نظر اپنے مضمون ''تدوین کے اصول و مدارج'' میں لکھتے ہیں کہ ترتیبِ متن کے لیے ضروری عوامل میں فراہمی متن،ترتیب متن، تصحیح متن، تحقیق متن، تنقیدِ متن، توضیحِ متن یا تحشیہ شامل ہیں اور مقدمہ اس کے علاوہ ہے۔

تدوینِ متن کے لیے متن کی فراہمی سب سے بنیادی اور اہم عنصر ہے۔متن کی ترتیب کے لیے اہم قلمی اور مطبوعہ نسخے حاصل ہوں۔دست یاب نسخوں میں سے کسی ایک کو اساسی نسخہ بنا کر متن کی ترتیب دی جاتی ہے۔

عبدالرزاق قریشی ''مبادیاتِ تحقیق''میں لکھتے ہیں:

''متن کی تحقیق و تصحیح میں سب سے پہلا کام یہ ہے کہ محقق تمام موجودہ نسخوں کا جو مختلف کتب خانوں میں ہیں‘پتا لگائے اور پھران کے حصول کی کوشش کرے۔اس سلسلہ میں کتب خانوں کے مطبوعہ کیٹلاگوں سے خصوصاً مدد مل سکتی ہے۔مختلف نسخوں کا پتا لگانے کے علاوہ کیٹلاگوں سے ان کے متعلق تھوڑی بہت معلومات بھی حاصل ہوجاتی ہیں۔محقق کا ہر نسخہ تک پہنچنا اگر ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے لیکن موجودہ سائنسی دور میں ان کی مائیکرو فلم‘ روٹوگراف وغیرہ حاصل کئے جاسکتے ہیں۔نقلیں بھی حاصل کی جاسکتی ہیں''۔

(۲)

''کلامِ جوہر'' بہ ترتیب عبدالماجد دریا بادی کو ترتیب دیتے وقت مولانا جوہر کا کلام یک جا صورت میں نہیں ملتا تھا۔مولانا کے کلام کو عبدالماجد دریا بادی نے مختلف رسائل و جرائد سے اکٹھا کر کے ایک کلیات کی صورت میں شائع کیا۔پہلی مرتبہ مولانا کے کلام کو منظرِ عام پر لانے کا سہرا ان ہی کے سر ہے۔کلیاتِ جوہر کا دوسرا نسخہ نور الرحمن نے مولانا کی تحریر کے عکس لے کر ترتیب دیا ہے اور جن غزلوں کی عکسی تصاویر شامل نہیں۔اس بارے میں کوئی وضاحت پیش نہیں کی گئی (یہ صفحات نیشنل میوزیم آف پاکستان کی ملکیت ہیں)۔نور الرحمن نے دریا بادی کے نسخے کو بنیاد بنا کر اس نسخے کی ترتیب کا اعتراف نہیں کیا۔''کلیاتِ جوہر'' کا زیر استعمال تیسرا نسخہ جو ڈاکٹر علی محمد خاں نے ترتیب دیا ہے انھوں نے پہلے دو نسخوں کو بنیاد بنانے کا اعتراف کیا ہے اور حتی الامکان کوشش کی ہے کہ دونوں کے متن کو اس تیسرے نسخے میں شامل کرکے تمام کلام ایک جگہ جمع کر لیا جائے۔

مواد کو جمع کرنے کے بعد اگلا مرحلہ متن کی ترتیب کا ہوتا ہے۔متن کی ترتیب کا اساسی مقصد ہی عبارت کی صحیح قرأت کا تعین،اجزائے عبارت کی صحیح ترتیب اور اس کے وسیلے سے کسی روایت کو اس کی اصل شکل میں پیش کرنا ہے۔اس میں زبان کے ترکیبی اجزااور اس کا املا بھی شامل ہے۔ڈاکٹر انصار اللہ نظر اپنے مضمون ''تدوین کے اصول و مدارج'' میں مزیدلکھتے ہیں:

''اگر متن کسی کتاب،رسالے،لغت یا دیوان کی صورت میں ہے تو بھی ترتیب کامسئلہ مدون کے لیے باقی رہ سکتا ہے،یعنی یہ کہ وہ اپنے نقطۂ نظر سے متن کو مفید سے مفید تر بنانے کے لیے،ترتیب میں مناسب ردوبدل کرنے کا حق رکھتا ہے۔۔۔دوسری صورت یہ ہے کہ متن منتشر صورت میں ہے اوراسے یک جا جمع کرنا ہے تو بھی کام کی نوعیت کے پیش نظر ہی کوئی صورت اختیار کی جائے گی۔۔۔بہرحال یہ معاملہ پورے طور پرمدون کی منشا اوراس کے مزاج پر منحصر ہے۔بنیادی بات یہ ہے کہ افادیت کو ملحوظ رکھا جانا چاہیے۔ (۳)

متن کو ترتیب دینے میں عبدالماجد دریا بادی نے نسخے کی ترتیب میں ردیف کی پابندی کا خاص خیال رکھا ہے۔یعنی الف بائی ترتیب سے ردیف وار غزلیں ترتیب دی گئی ہیں (لیکن اس میں ایک قباحت یہ ہے کہ ہر حرف کی گنتی الگ ہے جس سے مطلوبہ غزل تلاش کرنے میں دقت کا سامنا ہوتا ہے) جب کہ نور الرحمن کے نسخے کے دوسرے حصہ میں ایسا کیا گیا ہے اور پہلے حصے میں غزلوں کی عکسی تصاویر اور ان کا اصل متن شامل ہے۔اسی طرح ''کلام جوہر'' کے تیسرے نسخے میں ڈاکٹر علی محمد خاں نے عبدالماجد دریا بادی کی پیروی کرتے ہوئے الف بائی ترتیب کو ملحوظ خاطر رکھاہے مگر ہر ردیف کی الگ الگ گنتی کے برعکس تمام ردیف ایک ہی شمار میں رکھے ہیں جس سے قاری کو مطلوبہ غزل بآسانی مل جاتی ہے۔

تصحیح و تحقیق متن میں غیر مستند یا الحاقی کلام کو الگ کیا جاتا ہے اور ان اجزا کو شامل کیا جاتا ہے جو شامل ہونے سے رہ گئے ہوں۔ڈاکٹر تنویر احمد علوی کے مطابق:

تصحیح متن کے معنی امکانی حدود میں رہتے ہوئے منشائے مصنف تک پہنچنا ہے، جس کے لیے بیش تر صورتوں میں بالخصوص مصنف کے خطی نسخے کی عدم موجودگی، قدیم تر روایت کو زیادہ صحیح اور مرجح صورت قرار دیا جاتا ہے، اس لیے کہ نقل در نقل کی صورت میں، مابعد نسخوں میں، غلطیوں کے بڑھ جانے کا امکان زیادہ رہتا ہے۔۔۔متن کی تحقیقی ترتیب یا تقابلی مطالعے کی غرض و غایت اس کے ماسواکچھ اور نہیں کہ صحیح اور غیر صحیح میں فرق کیا جاسکے اور جو نسخہ ترتیب پائے وہ علمی اور تحقیقی زاویۂ نگاہ سے مصدقہ اور مستند ہو اور آئندہ استخراجی یا استقراری طریقے پر اس سے استفادہ اور استناد ممکن ہو اور اس کی روشنی میں ادبی حقائق اور علمی نتائج تک پہنچنا آسان ہوجائے''۔ (۴)

کلام جوہر کو پہلی مرتبہ عبدالماجد دریا بادی نے جمع کر کے کتابی صورت میں پیش کیا (مآخذات کی فہرست دیوان میں شامل نہ ہے)۔ اس کے بعد نور الرحمن نے نیشنل میوزیم سے جوہر کے خطی نسخوں کی عکسی تصاویر لے کر اس کا متن پیش کردیا (دریا بادی کے نسخے سے استفادہ کا کتاب میں کہیں ذکر نہیں کیا)۔موجودہ نسخہ ڈاکٹر علی محمد خاں کا ترتیب کردہ ہے جسے انھوں نے اول الذکر دونوں نسخوں سے استفادے کے بعد مکمل کیا ہے اور اس کا اعتراف بھی دیباچے میں کیا ہے۔وہ لکھتے ہیں:

''اردو شعری ادب کو مولانا عبدالماجد دریا بادی کا ممنونِ احسان ہونا چاہیے جنھوں نے محمد علی جوہر کی شاعری سے متاثر ہو کر۔۔۔ ایک کتابچے کی صورت میں ''کلامِ جوہر'' شایع کرکے خواص و عوام میں متعارف کرایا۔۔۔پروفیسر نور الرحمن نے شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور کے توسط سے ''دیوانِ جوہر'' کی۔۔۔میں نے ''کلیاتِ جوہر'' کی ترتیب و تدوین میں ان تینوں کتابوں سے استفادہ کیا ہے۔۔۔''۔(۵)

متن اصول و ضوابط کے مطابق تحقیق و ترتیب ہونے کے بعد اس کے مطالعے اورتجربے کا مرحلہ آتا ہے یہ تنقید متن کہلاتا ہے۔اس میں یہ دیکھا جاتا ہے کہ جو متن پیش کیا گیا ہے کیاوہ واقعات اور حقائق سے مطابقت رکھتا ہے؟ اس میں کوئی نقص یا تضاد تو نہیں، املا کا تعلق زمانۂ تصنیف سے ہے یا نہیں؟ اس سے الحاقی کلام بھی بآسانی الگ ہوجاتا ہے یوں تنقیدِ متن میں الحاقی کلام کو الگ کرکے ایک مستند کلام پیش کیا جاتا ہے۔مولانا جوہر کی وفات کے بعد عبدالماجد دریا بادی نے مختلف اخبارات و رسائل میں شائع ان کے کلام کو اپنی بھر پور محنت سے اکٹھا کر دیوان کی صورت شایع کیا۔یہ چوں کہ پہلی مرتبہ منظرِ عام پر آیا تو اس کی تصدیق نہ کی جاسکی مگر نور الرحمن نے جب اس کے بعد جوہر کے کلام کی عکسی تصاویر کے ساتھ ان کا کلام شائع کروایا تو اس نے پچھلے دیوان کی بھی توثیق کردی۔ان عکسی تصاویر میں جوہر کے ہاتھ سے لکھی گئی غزلیں اور ان کے ساتھ ساتھ جیلر کی اسٹیمپ/مہر بھی موجود ہے جس کے مستند ہونے میں شک کی گنجایش باقی نہ ہے۔ڈاکٹر علی محمد خاں نے دونوں دواوین کے کلام کو ایک جگہ ترتیب دے کر پیش کردیا ہے۔یعنی اس کلام میں شک نہیں ہے لیکن کچھ متن بادی نسخہ میں موجود نہیں مگر نوری میں شامل ہے مثلاً نوری نسخے میں ابتدائی کلام میں موجود نظم بعنوان ''علی گڑھ کالج سے رخصت'' بھی شامل ہے جس کے اشعار کی تعداد ۱۸ہے۔اس کے نیچے''مخزن''جون ۱۹۰۷ء تحریر ہے۔اہم سوال یہ اٹھتا ہے کہ دریا بادی نے اسے دیوان میں شامل کیوں نہیں کیا؟ اس کی وجہ کیا ہے؟ جب کہ نوری نسخہ میں یہ شامل ہے۔نظم کا ابتدائی اور آخری شعر دیکھیے:

پہلا شعر

دم بھر کی جسے فرصت یہ چرخِ ستم گردے
وہ شخص تو البتہ یاں عیش منائے گا

آخری شعر

کیا بادۂ گلگوں سے مسرور کیا دل کو
داتا رکھے آباداں ساقی تری محفل کو (۶)

تحقیق کرنے پر پتہ چلا ہے کہ یہ نظم مخزن کے شمارہ۳۰، جلد ۱۳،جون ۱۹۰۷ء، دہلی) میں موجود ہے۔اس تحقیق کے ضمن میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ نظم کا وجود اور اس کا زمانۂ تحریر مستند طور پر ثابت ہے اور یہ کہ دریا بادی نسخے سے اس کا اخراج کسی متنی عدم صحت کے باعث نہیں، بل کہ غالباً مرتب کی عدم رسائی یا ازخود انتخاب کا نتیجہ ہے۔

ڈاکٹر علی محمد خاں نے بھی ان نظم کو اپنے مرتبہ نسخے میں شامل کیا ہے۔یہ نظم نوری نسخہ کی تقلید کرتے ہوئے کلیات میں شامل کی گئی ہے اور متن بھی تقریباً وہی ہے،صرف ایک شعر میں لفظی اغلاط پائی گئی ہیں۔شعر یوں درج ہے:

کس طر سے صحبت سے محفوظ ہو اس کا دل
احباب سے کل جس کو یہ چرخ چھٹائے گا (۷)

جب کہ رسالہ مخزن میں یہ شعر یوں تحریر ہے:

کس طرح سے صحبت سے محظوظ ہو اس کا دل
احباب سے کل جس کو یہ چرخ چھٹائے گا (۸)

حواشی کسی بھی کلام کی ترتیب و تدوین میں بنیادی اہمیت کی حامل ہے۔اس کے ذریعے متن کے متعلق اہم اور ضروری معلومات ایک جگہ بآسانی میسر آجاتی ہیں۔ڈاکٹر عظمت رباب ''اردو تدوینِ متن کی روایت'' میں لکھتی ہیں:

''۔۔۔مصنف بھی اپنے متن کی وضاحت کے لیے حاشیے تحریر کرتے ہیں اور مدون بھی حواشی کا استعمال کرتا ہے۔تدوین کیے گئے متن میں حواشی کی بہت اہمیت ہوتی ہے۔حاشیے صفحے کے نیچے بھی ہوتے ہیں اور متن کے آخر میں بھی درج کیے جاتے ہیں۔عام طور پر حاشیوں میں نسخوں کے اختلاف کو درج کیا جاتا ہے۔۔۔الفاظ کے املا اور متروکات کی نشاندہی بھی حواشی میں کی جاتی ہے''۔ (۹)

عبدالماجد دریا بادی نے ''کلام جوہر'' میں جن مقامات پر ضرورت محسوس کی ان کو حاشیہ میں درج کیا گیا ہے مثلاً ''کلام جوہر'' مرتبہ دریا بادی کا آغاز قطعات سے ہوتا ہے۔پہلا قطعہ بعنوان ''عرضداشت بخدمت سر سید احمد خاں مرحوم و مغفور'' ہے جس کے ۲۹ اشعار ہیں۔اس قطعے کا شعر نمبر ۲۴ اور اس کی حواشی ملاحظہ کیجیے:

''تمہارے دوستوں (۱) کو ضعف دل ضعف بصارت ہے
دلاسا تم ہو پیری کا، اندھیرے کا دیا تم ہو

حواشی:۔

(۱)۔ اشارہ ہے نواب محسن الملک مہدی علی خاں سیکرٹری کالج کی جانب (۱۰)

اسی قطعہ میں شعر نمبر ۲۸ کے لیے بھی ایک حاشیہ درج ہے۔شعر یوں ہے:

جو ہیں محتاجِ رہبر افسرانِ مد ر سہ سیّد

توبک (۱) مرحوم یہ کہہ دو کہ ان کے رہنما تم ہو

حواشی:۔

(۱)۔ ہنر ڈربک۔اول پرنسپل علی گڑھ کالج (۱۱)

اسی نظم کی حواشی نسخہ نور الرحمن میں بھی دیکھنے کو ملتی ہے بل کہ انھوں نے اس میں شعر نمبر ۲۴ اور ۲۵ کے علاوہ ۲۶ کی بھی حواشی درج کی ہے۔نظم کا شعر ۲۶ بھی ملاحظہ ہو:

وقار الملک (۲) کی قوت ہو حالی (۳) کی زبان ہو تم

تو ہر مہدی (۴) امت کی بس آنکھوں کی ضیا تم ہو

حواشی:۔

(۲) نواب مشتاق حسین، وقار الملک جو بعد کو کالج کے سیکرٹری ہوئے تھے۔

(۳) مولانا الطاف حسین حالی۔(۴)سید مہدی علی، الخاطب بہ نواب محسن الملک (۱۲)

کلیاتِ جوہر کے تیسرے نسخے مرتبہ ڈاکٹر علی محمد خاں نے بھی نور الرحمن کے نسخے کی تائید کرتے ہوئے اول الذکر شعر کی ہی حواشی درج کی ہے۔اشعار ملاحظہ ہوں:

وقار الملک (۱) کی قوت ہو، حالی (۲) کی زبان ہو تم

تو ہر مہدیِ (۳) امت کی بس آنکھوں کی ضیا تم ہو

جو ہیں محتاجِ رہبر افسرانِ مدرسہ سیّد

توبک (۴) مرحوم یہ کہہ دو کہ ان کے رہنما تم ہو

حواشی:۔

(۱)نواب وقار الملک (۲)خواجہ الطاف حسین حالی (۳) نواب محسن الملک جن کا اصل نام سید مہدی علی خاں تھا۔سر سید کی وفات کے بعد علی گڑھ کالج کے سیکر ٹری بنے۔

(۴)تھیوڈر بک، علی گڑھ کالج کے پہلے پرنسپل۔ (۱۳)

مقدمہ درج کرنا مرتب کے لیے بہت ضروری امر ہے۔یہ کتاب کی ترتیب کے بعد سب سے آخر میں لکھا جاتا ہے مگر کتاب کا آغاز اسی سے ہوتا ہے۔ڈاکٹر عظمت رباب لکھتی ہیں:۔

’’متن کی اہمیت، نسخوں کا تعارف، مدون کا طریق کار پیش لفظ میں دیا جائے اور مصنف کے مختصر حالات اور خصوصیاتِ متن مقدمے میں درج کی جائیں۔اگر اس سے قبل اس متن پر کام ہوچکا ہو تو وہ بھی مقدمے میں بتانا ضروری ہے۔۔۔‘‘(۱۴)

مرتب کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ اپنے ایک سے زائد نسخوں کی صورت میں ہر نسخے کے لیے مخففات کا استعمال کرے۔ عبدالرزاق قریشی ’’مبادیات تحقیق‘‘ میں لکھتے ہیں کہ مرتب کو چاہیے کہ وہ نسخوں کا ذکر کرنے کے بعد محقق اپنے طریقِ کار کی وضاحت کرے اور اپنا اصول بتائے جس کی بنیاد پر اس نے متن تیار کیا ہے۔

کلیات جوہر مرتبہ عبدالماجد دریا بادی میں ایک طویل مقدمہ تو درج کیا گیا ہے لیکن اس میں متن کی ترتیب کے حوالے سے کسی طریق کار کی وضاحت نہیں کی گئی۔شاعر کے سوانحی حالات اور شاعری پر تبصرہ کافی تفصیل سے ملتا ہے۔اسی طرح نورالرحمان نے بھی اسی طریق کار کو اپناتے ہوئے صرف سوانح اور کلام پر تنقید شامل کی ہے۔جب کہ یہ کام مرتب کا نہیں ہے۔ڈاکٹر عظمت رباب لکھتی ہیں مصنف کے حالات اور سیاسی پس منظر کو بیان کرنا سوانح نگار کا کام ہے مدون کا نہیں۔اسی طرح اگر ہم تیسرے نسخے ’’کلیاتِ جوہر‘‘ مرتبہ ڈاکٹر علی محمد

خاں کو دیکھیں تو اس میں بھی تدوین کے حوالے سے کسی طریقِ کار کی وضاحت دیکھنے کو نہیں ملتی جو کہ ایک بڑی کمی ہے۔کام ادھورا محسوس ہوتا ہے اور قارئین کے لیے بھی یہ تعین کرنے میں مشکل محسوس ہوتی کہ مرتب نے اس کام کو کیسے اور کن مراحل کے ذریعے مکمل کیا ہے اور محققینِ ادب کے لیے بھی سوال کھڑا ہوجاتا ہے۔

یوں ترتیبِ متن کے سلسلے میں ان تینوں نسخوں سے ایک سبق حاصل ہوتا ہے کہ کلیات کے ''معیاری''ہونے کا اندازہ محض اس کی تاریخی قدامت،ہیئتی مطابقت یا بعد کے مرتبین کی توثیق سے بھی مکمل طور پر متعین نہیں کیا جاسکتا جب تک متن کے انتخاب کے اصول واضح طور پر بیان نہ کیے جائیں۔یوں اردو کے کلاسیکی متن کی تدوین میں صرف دیباچے کی موجودگی کافی نہیں بل کہ اس کے انتخاب کے معیار کی صریح وضاحت بھی اتنی ہی ضروری ہے۔اس طرح ہم نتیجے پر پہنچے ہیں کہ کلیاتِ جوہر کے تینوں نسخے؛دریابادی، نورالرحمن اور ڈاکٹر علی محمد خاں۔۔ایک ترتیبی مقالے کی مختلف کڑیاں ہیں جس میں ہر بعد کے آنے والا مرتب پہلے مرتب کی خوبیوں کو محفوظ رکھنے کی کوشش کرتا دکھائی دیتا ہے۔اس کے باوجود تدوینی شفافیت کا خلا اب بھی باقی ہے اور مستقبل میں مولانا محمد علی جوہر کے کلام کی کسی نئی، مکمل اور تحقیقی طور پر مستند ترتیب کے لیے یہ ضروری ہوگا کہ مرتب اپنے اصولِ انتخاب کو دیباچے میں واضح طور پر بیان کرے تا کہ آنے والے محققین کو وہی مشکلات پیش نہ آئیں جن کا سامنا اس تحقیق میں کرنا پڑا۔

حوالہ جات

۱۔ ڈاکٹر گیان چند جین۔تحقیق کا فن۔لاہور: فکشن ہاؤس، ۲۰۱۷ء ص ۳۱۴

۲۔ عبدالرزاق قریشی۔مبادیات تحقیق۔لاہور: خاں بک کمپنی (س۔ن)۔ص ۷۹ تا ۸۰

۳۔ ڈاکٹر انصار اللہ نظر۔تدوین کے اصول و مدا رج۔مشمولہ: تحقیق شناسی۔لاہور:القمر انٹر پرائزز،۲۰۰۳ء ص ۱۸۶تا ۱۸۷

۴۔ ڈاکٹر تنویر احمد علوی۔متن کی تحقیق و ترتیب۔مشمولہ: تحقیق شناسی۔لاہور:القمر انٹر پرائزز،۲۰۰۳ء ص ۲۱۵

۵۔ مولانا محمد علی جوہر۔کلیاتِ جوہر (مرتب۔ڈاکٹر علی محمد خاں)۔لاہور: الفیصل ناشران و تاجران کتب۔۲۰۱۲ء ص۱۴

۶۔ مولانا محمد علی جوہر۔دیوانِ جوہر (مرتب۔پروفیسر نور الرحمن)۔لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز، ۱۹۶۲ء ص ۱۶۰ تا ۱۶۲

۷۔ ڈاکٹر علی محمد خاں۔کلیاتِ جوہر۔ص ۱۱۴ تا ۱۱۵

۸۔ مخزن۔دہلی: مخزن پریس، شمارہ جون ۱۹۰۷ء ص ۵۸ تا ۵۹

۹۔ ڈاکٹر عظمت رباب۔اردو تدوینِ متن کی روایت۔لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱۷ء ص ۳۲

۱۰۔ مولانا محمد علی جوہر۔کلام جوہر (مرتب۔عبدالماجد دریا بادی)۔دہلی: مکتبہ جامعہ ۱۹۲۶ء ص ۳۲

۱۱۔ ایضاً ص ۳۳

۱۲۔ مولانا محمد علی جوہر۔دیوانِ جوہر (مرتب۔پروفیسر نور الرحمن)۔لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز، ۱۹۹۲ء ص۱۶۵

۱۳۔ مولانا محمد علی جوہر۔کلیاتِ جوہر (مرتب۔ڈاکٹر علی محمد خاں)۔لاہور: الفیصل ناشران و تاجران کتب،۲۰۱۲ء ص۱۱۱

۱۴۔ ڈاکٹر عظمت رباب۔اردو تدوینِ متن کی روایت۔لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱۷ء ص ۳۲